© rasailojaraid.com

محترم ارشاد احمد حقانی، فقیہ اقراء شیخ محمد یوسف لدھیانوی، شیخ مولانا مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا مفتی عبدالعزیز حنفی وغیرہم سے اختلاف میں مہذبانہ رنگ تحریر شاہد ہے۔

تفہیم المسائل حصہ اول درج ذیل چودہ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب العقائد، کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب البیوع، کتاب الیمین، اسماء وسیرت، عورتوں کے متفرق مسائل، حلال وحرام، جائز وناجائز۔۔۔ ان ابواب میں مجموعی طور پر ۲۹۰ مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ حصہ اول دراصل مارچ ۱۹۹۹ء سے دسمبر ۲۰۰۰ء تک روزنامہ ایکسپریس کے جمعہ ایڈیشن میں تفہیم المسائل کے عنوان سے دیئے گئے دینی سوالات کے جوابات کا مجموعہ ہے اور اس میں ہمعصر ارباب فتاویٰ سے تحریری بحث وتمحیص کے نتیجے میں مرتب ہونے والے چند جامع ومدلل فقہی فتاوے بھی اس میں شامل ہیں۔ اب تک حصہ اول کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

کتاب العقائد میں لفظ مولانا کے اطلاق پر معروف کالم نگار محترم ارشاد احمد حقانی کی بہت ہی نوادرانہ انداز میں گرفت کی گئی ہے اور عوام الناس میں زیر بحث چند دیگر الفاظ مثلاً خدا، ہنکری، شیخ، شریف، سید وغیرہ کے اطلاقات کی بھی گرہ کشائی کی گئی ہے۔ اسی طرح کتاب الصوم میں رویت ہلال کے حوالے سے جو مختصر مگر جامع ومدلل جواب تحریر فرمایا گیا ہے، اگر عوام اس توضیح وتشریح سے آگاہ ہو جائیں تو ان کا وہ شک وتردد ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیگا جو چاند کو بڑا یا باریک دیکھ کر انہیں سال بسال ہوتا ہے، اسی فتوے میں زبان زد عوام کہ کتنے مہینے مسلسل ۳۰ کے اور ۲۹ دن کے ہو سکتے ہیں؟ یا پاکستان میں روزہ شروع کرنے والے سعودی عرب میں عید کب منائیں؟ جیسے مسائل کا شافی جواب موجود ہے۔ اسی طرح کتاب النکاح میں، خفیہ نکاح کا شرعی حکم، ٹیلیفون پر نکاح اور سول میرج کی شرعی حیثیت، دور حاضر کے گھمبیر مسائل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ کتاب الطلاق میں کیا طلاق بائن، بائن کو لاحق ہوتی ہے؟ جیسے اہم مسئلہ کی عقدہ کشائی کر کے بیشمار خاندانوں کو تفریق سے بچالیا ہے۔ اور اپنے ہمعصر مفتی صاحب کے فتوے کو قلم کی زد میں لا کر نہ صرف احقاق حق فرمایا ہے بلکہ چند معاصر ارباب فتویٰ کی تائیدات سے اسے مزید سنوارا گیا ہے۔ یہ بحث کم وبیش ۲۰ صفحات پر محیط ہے، نیز اسی باب میں لے پالک اور اس کے نسب پر مختلف مباحث موجود ہے۔ بچہ گود میں لینے والے حضرات کے لیے یہ فتویٰ ہر جہت سے رہنمائی کرتا ہے۔

کتاب البیوع میں، اشیاء کی نیلامی، ہنڈی کی بیع، پگڑی سسٹم، انعامی بانڈ پر انعام، کروڑ پتی، مالا مال اسکیم، پرائز بانڈ، انعامی بانڈز کی پرچیوں کا کاروبار، قومی بچت کی اسکیمیں

درپیش مسائل پر بھی مدلل اور جامع فتوے موجود ہیں اسی طرح حلال وحرام اور جائز وناجائز کے باب میں، ستاروں کی تاثیر، سورج گرہن، جیسے فلکیاتی علوم کی بابت دلائل قاہرہ سے اسلام کا نظریہ پیش کیا گیا ہے، اسی باب میں پولٹری فارم کی مرغیوں کی خوراک پر بحث کر کے فقہا کے اقوال کی روشنی میں ایسی مرغیوں کے گوشت کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ اسی باب کے آخر میں مقامی اخبار کے اقراء ایڈیشن میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے زیر عنوان شیخ محمد یوسف لدھیانوی کے چند فقہی جوابات جیسے شہید کی نماز جنازہ، والدین کی ناحق بات پر ان کو قبول حق کی نصیحت نہ کرو، کارخانوں اور دفاتر میں نماز جمعہ کے عدم جواز، ٹی وی ویڈیو کا مسئلہ وغیرہ پر گرفت کر کے دلائل وبراہین سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ شہید کی نماز جنازہ ہوگی، اولاد مؤدبانہ لب ولہجہ میں والدین کو قبول حق کی نصیحت کر سکتے ہیں، دفاتر اور کارخانوں میں جہاں اذن عام نہیں وہاں جمعہ بھی ہو سکتا ہے، نیز ویڈیو اور ٹی وی کے مسئلہ پر شیخ لدھیانوی سے یہ پوچھے بغیر نہ رہ سکے کہ اگر مووی بنانے کی اجازت دینے پر دولت پور کے امام کی اقتداء جائز نہیں تو پھر امام حرم کے پیچھے نماز کے جواز یا عدم جواز کا مسئلہ کیوں نہیں بتایا، بہر حال اس کتاب کے ابواب تو قدیم ہیں مگر جوابات دور جدید کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں اسلیئے اس کتاب کا ہر گھر میں ہونا وقت کی ضرورت ہے۔

اشاریہ معارف اعظم گڑھ (انڈیا)

مرتب: محمد سہیل شفیق

صفحات: ۶۳۲، ناشر: قرطاس

پوسٹ بکس ۸۴۵۳ کراچی یونیورسٹی

تبصرہ نگار: محمد اعظم سعیدی

علامہ شبلی نعمانی کی سوچ صحرا کا تاج محل دارالمصنفین اعظم گڑھ کا قیام اور ان کے تصور کی تکمیل ماہنامہ معارف کا اجراء ہے۔ اگرچہ تاج محل کی تعمیر اور معارف کا اجراء علامہ شبلی کی وفات حسرت آیات کے دو سال بعد ماہ مقدس رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں ان کے عظیم تلامذہ اور تربیت یافتہ احباب ومعتقدین کی کاوشوں سے ہوا۔ لیکن یہ کاوشیں علامہ شبلی کی بنیادی فکر اور ارادہ الطریق (راستہ دکھانا) کی مرہون منت ہیں، یہ وہ دور تھا جب پوری دنیا پہلی جنگ عظیم کے سبب خون میں نہائی ہوئی تھی اور یورپی سفاکیت کا پھریرا لہرا رہا تھا۔ برصغیر پاک وہند بھی برطانوی نوآبادی ہونے کے باعث اس خونی آندھی کی لپیٹ میں تھے، مسلمان تو خاص طور پر کچھ زیادہ ہی اس افتاد کا شکار تھے۔

اسکے علاوہ بھی مسلمانوں کو علمی وتہذیبی میدانوں میں مختلف قسم کے چیلنجوں کا سامنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا۔ تہذیبوں کے الصاق و اتصال اور ٹکراؤ سے مسلم تہذیب و روایات اور اخلاقیات میں مغربی تہذیب و روایات کی آمیزش کی جا رہی تھی۔ مسلم تاریخ میں مفروضے شامل کیے جا رہے تھے۔ علمی و فکری زاویوں میں تبدیلیاں کی جا رہی تھیں۔ آزادیٔ اظہار کے نام پر محترم و معتبر شخصیات کے دامن عفیف کو داغدار کیا جا رہا تھا۔ جدید مباحث کے دروازے کھولے جا رہے تھے، مسلمانوں کی تاریخ، جغرافیہ اور ادب میں کتر بیونت کی جا رہی تھی۔ لسانیات کے نئے حلقے ایجاد کیے جا رہے تھے۔ پاک و ہند کے چند علماء اور کچھ ادارے اپنی اپنی بساط بھر اگرچہ ان چیلنجوں کا مقابلہ کر رہے تھے مگر ان کی جد و جہد نہ تو باہم مربوط تھی اور نہ ہی مضبوط تھی، اجتماعیت کا تو مکمل فقدان تھا جبکہ کچھ لوگ برطانوی استعمار کے تہذیبی و سیاسی تسلط سے آزادی کے نعرہ کے پس پردہ جدیدیت کے نام پر متجددانہ راہ اختیار کر کے درحقیقت وہ مسلمانوں کو نہ صرف یورپی استعماریت سے مرعوب کر رہے تھے بلکہ وہ مسلمانوں کو ان کی غلامی قبول کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔

علامہ شبلی نعمانی جو سر سید احمد خاں کے ساتھ کام کر رہے تھے اور ان کی وفات کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ سے منسلک ہو گئے تھے وہ مذکورہ بالا سارے روح فرسا اور ہلاکت خیز منظر کا مشاہدہ کر رہے تھے چنانچہ ۱۹۱۳ء میں واپس اعظم گڑھ آ کر انہوں نے ایک ایسا علمی و تحقیقی ادارہ قائم کرنے کا خاکہ تیار کیا کہ جہاں سے مسلمانوں کو درپیش ہمہ جہتی چیلنجوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اگرچہ اجل نے انہیں مہلت نہ دی مگر جن جواہر کو وہ تیشہ میں پرو گئے تھے ان جواہر نے علامہ شبلی کے تصور و تخیل کو امر کر دیا۔ علامہ شبلی نے جو ہیرے تراشے تھے ان میں سرفہرست سید سلیمان ندوی ہیں جنہوں نے دارالمصنفین کی بنیادوں کو استوار کیا اور ماہنامہ معارف کا اجراء کیا اور اسکے لیے جو اہداف مقرر کیے وہ ہمہ گیر و ہمہ جہت بھی تھے۔ اور اسلام و مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے رہبر و رہنما بھی تھے۔ سید سلیمان ندوی کم و بیش ۳۲ سال تک دارالمصنفین اور معارف اعظم گڑھ سے وابستہ رہے۔ ان کے بعد مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے معارف کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔ پھر بالترتیب مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی، سید صباح الدین عبدالرحمٰن معارف کے مدیر ہوئے، ان کے بعد ۱۹۸۷ء میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے معارف کی ادارت سنبھالی جو اب تک اس منصب کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

ماہنامہ معارف اعظم گڑھ انتہائی بے سر و سامانی اور انتہائی قلیل وسائل میں بھی جون ۲۰۰۶ء تک اپنی تابندہ حیات کے نوے (۹۰) سال پورے کر چکا ہے۔ جبکہ جمیل شفیق کا مرتب کردہ اشاریہ جولائی ۱۹۱۶ء سے جون ۲۰۰۵ء تک ۸۹ سالوں پر محیط ہے۔ معارف نے اپنی طباعت کے ۸۹ سالوں میں

میرے محدود مطالعہ کے مطابق صرف تین مرتبہ سانس لی ہے یعنی مئی جون ۱۹۳۱ء، مئی جون ۱۹۵۵ء اور اپریل مئی ۱۹۹۹ء میں تین مرتبہ دو دو ماہ کے مشترکہ شمارے کی شکل میں شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ شاید اسکے تسلسل و باقاعدگی میں کبھی انقطاع نہیں آیا۔ معارف جیسے دینی، علمی، تحقیقی، تاریخی اور ادبی خشک رسالے کا اس قدر طویل عرصہ تک جاری رہنا اگر حیران کن ہے تو اس کے بعد دیگرے مدیران گرامی کی سعی و لگن، ذوق اور رسم وفا نبھانا بھی لائق تحسین ہے۔

زیر تبصرہ کتاب ''اشاریہ معارف اعظم گڑھ'' اسی ماہنامہ معارف کے منتشر شماروں میں سے کشید کیا ہوا عطر ہے۔ یہ اشاریہ مجلہ التفسیر کی مجلس معاونت کے رکن، کراچی یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ اسلامی کے باہمت نوجوان، فاضل محقق و مورخ استاد محمد جمیل شفیق نے صرف ڈیڑھ سال کے مختصر عرصہ میں انتہائی محنت و جانفشانی اور علمی خدمت کے جذبہ صادق سے سرشار ہو کر مرتب کیا ہے، اگرچہ اسی نام و نہج سے معارف پر پہلے بھی کچھ کام ہوا تھا مگر وہ التفصیل کا لمعدوم کی مانند تھا۔ جیسا کہ محترمہ نگار سجاد ظہیر صاحبہ صدر شعبہ تاریخ اسلامی جامعہ کراچی کے تحریر کردہ مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۶۶ء میں رسالہ برہان میں معارف کا اشاریہ شائع ہونا شروع ہوا تھا مگر چند قسطوں بعد یہ سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ اسی طرح انجمن ترقی اردو دہلی کے سہ ماہی رسالے ''اردو ادب'' کے شمارہ نمبر ۳ بابت ستمبر ۱۹۸۳ء میں ''اشاریہ معارف اعظم گڑھ'' کے عنوان سے ڈاکٹر صابرہ بیگم کا سات صفحات پر مشتمل ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں جلد اول تا جلد سولہ کا اشاریہ دیا گیا تھا، ایسے ہی علوم اسلامیہ کی ایک اردو انسائیکلوپیڈیا نامی کتاب (مطبوعہ ۱۹۹۵ء دہلی) کی پہلی جلد میں ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کا اشاریہ دیا گیا ہے، جو کہ جولائی ۱۹۱۶ء سے ۱۹۷۰ء تک یعنی ۵۴ سال کے رسالوں پر محیط ہے بقول نگار صاحبہ اس اشاریہ کی ثقاہت علمی حلقوں میں ایک بڑا سوالیہ نشان ہے؟ اسکے علاوہ خود ماہنامہ معارف کے شمارہ اپریل مئی ۱۹۹۹ء میں جناب جمشید ندوی کے مرتب کردہ اشاریہ کی ایک قسط بطور نمونہ شائع ہوئی تھی جو کہ ابتدائی تین سالوں پر محیط ہے۔

اشاریہ معارف اعظم گڑھ علامہ شبلی نعمانی کے خواب کی حسین تعبیروں میں حسین ترین اضافہ ہے، جو کام مالی طور پر مستحکم ادارے کے لیے سہل نہ تھا جمیل نے سہولت سے تنہا کر دکھایا ہے کہ معارف کے ۸۹ سالہ حسن کو نہ صرف لوح اشاریہ میں نقش کر دیا ہے بلکہ اس کی مانگ میں شفق رنگ بھر دیا ہے یعنی جو کام ایک ادارے یا بورڈ کے بس کا تھا وہ فرد واحد نے انجام دیا ہے، معارف کے ایک ہزار پینسٹھ (۱۰۶۵) منتشر رسائل کو تلاشنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اور یہ کام فرہاد جیسا کشتۂ حسن معارف جمیل شفیق ہی انجام دے سکتا ہے۔ رسائل تلاشنا کس قدر صبر آزما اور جان جوکھوں کا کام ہے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا تجربہ مجھے "وادیٔ منجمد میں صحافت" نامی کتاب لکھتے وقت ہوا تھا۔ بچپن پھیلائے اژدہاؤں کی کنڈلی کے نیچے علم کے خزانے سے ایک قطعۂ قرطاس حاصل کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ مگر سہیل شفیق خوش قسمت ہیں کہ انہیں علم کے اکثر خزانوں سے من کی مراد مل گئی۔ پھر بھی معارف کی تلاش میں انہیں جو آبلہ پائی کرنی پڑی ہوگی اور جو اخراجات برداشت کرنے پڑے ہوں گے کہیں سے امید کہیں سے مایوسی اور کبھی ہمت وحوصلے کی شکست وریخت سے دوچار ہونا پڑا ہوگا۔ ان تمام سنگلاخ مراحل کو صرف وہی عبور کرسکتا ہے جس کی اپنے مقصد سے سچی لگن ہو اور عزم صمیم کا مالک ہو۔

اشاریہ معارف اعظم گڑھ اپنی نوع میں منفرد اور کئی خوبیوں کا حامل ہے۔ مثلاً جولائی ۱۹۱۶ء سے جون ۲۰۰۵ء تک شائع ہونے والے تمام مقالات ومضامین، سوانح، تبصرہ کتب، اور وفیات کا مکمل احاطہ کرتا ہے یعنی ۱۷۵ جلدوں میں متلاطم تحریروں کے بحر ذخار کو اشاریہ کے احصار میں بند کیا گیا ہے۔ اسی طرح باعتبار حروف تہجی دو انڈیکس دیئے گئے ہیں ایک عنوان کے حوالے سے دوسرا مضامین کے حوالے سے، نیز پہلے حصے میں مضامین ومقالات کو مقالہ نگاروں کے نام کے ساتھ مکمل چارٹ کی شکل میں زمانی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے اشاریہ نویسی کی تاریخ میں یہ جدید طریقہ پہلی دفعہ متعارف کرایا گیا ہے اور یہ سہرا سہیل شفیق کے سر جاتا ہے۔

اشاریہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معارف میں علم کا ایک جہاں موجود ہے جس میں نوع بہ نوع تحریریں سجی ہوئی ہیں۔ اس جہان معارف میں موجود مقالات کو مضامین کے لحاظ سے ۳۶ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے مگر ایسا کمپوزر کی غلطی سے ہوا ہے کہ اس نے سیریل نمبر (مقالات بلحاظ مضامین) میں ۲۸ کے بعد بھی ۲۷ لکھ دیا ہے (ص ۲۵۶) ورنہ مضامین کی مجموعی اقسام ۳۷ بنتی ہے اسی طرح مقالات بلحاظ مضامین کی فہرست میں اقوام عالم کا عنوان لکھنا رہ گیا ہے بہر حال ان ۳۷ حصوں میں کتنا کچھ ذخیرہ علم موجود ہے اس کی ایک جھلک مشاہدہ کیجئے:

(۱) قرآن مجید اور علوم قرآن پر ۱۸۷ مضامین ہیں (۲) حدیث وسنت پر ۱۰۲ مضامین ہیں (۳) سیرت نبوی ﷺ پر ۸۳ مضامین ہیں (۴) فقہ اسلامی، اصول، تاریخ اور مسائل پر ۱۶۷ مضامین ہیں (۵) عقائد وعبادات اسلامی پر ۴۳ مضامین ہیں (۶) اسلامی تعلیم وتصورات پر ۱۰۱ مضامین ہیں (۷) تاریخ کے عنوان پر ۳۰۵ مضامین ہیں (۸) مذاہب عالم پر ۸۷ مضامین ہیں (۹) تہذیب وتمدن پر ۵۶ مضامین ہیں (۱۰) اخلاقیات پر ۴۹ مضامین ہیں (۱۱) تصوف کے موضوع پر ۱۱۱ مضامین ہیں (۱۲) فلسفے پر ۱۲۱ مضامین ہیں (۱۳) تعلیم وتربیت پر ۶۲ مضامین ہیں (۱۴) طب وسائنس پر ۹۲ مضامین ہیں (۱۵)

سیاسیات پر ۶۸ مضامین ہیں (۱۶) خلافت پر ۱۸ مضامین ہیں (۱۷) اقتصادیات کے عنوان پر ۴۲ مضامین ہیں (۱۸) لسانیات پر ۶۸ مضامین ہیں (۱۹) زبان وادب (اردو، عربی، فارسی) پر ۴۹۳ مضامین ہیں (۲۰) اقبالیات پر ۱۵۰ مضامین ہیں (۲۱) آثار ومقامات پر ۱۱۱ مضامین ہیں (۲۲) شخصیات (سیر، سوانح، افکار ونظریات اور خدمات) کے عنوان پر ۱۰۳۹ مضامین ہیں (۲۳) آرٹ اور آرکیٹکچر کے حوالے سے ۱۶ مضامین ہیں (۲۴) استشراق ومستشرقین کے حوالے سے ۱۱۱ مضامین ہیں (۲۵) علوم وفنون پر ۶۳ مضامین ہیں (۲۶) عالم اسلام (تاریخ، تہذیب وثقافت) پر ۵۳ مضامین ہیں (۲۷) عرب (خطۂ عرب) پر ۲۸ مضامین ہیں (۲۸) مسلم اقلیتوں پر ۴۰ مضامین ہیں (۲۹) اقوام عالم (تاریخ، تہذیب اور سیاست) پر ۸ مضامین ہیں (۳۰) ہندوستان (مختلف عنوانات) پر ۱۳۳ مضامین ہیں (۳۱) کتب خانوں پر ۶۳ مضامین ہیں (۳۲) جامعات یعنی تعلیمی اداروں پر ۲۵ مضامین ہیں (۳۳) خطبات، انجمن اور اداروں کے حوالے سے ۲۷ مضامین ہیں (۳۴) تحریکوں کے حوالے سے ۱۹ مضامین ہیں (۳۵) قلمی نسخوں یعنی مخطوطات پر ۶۸ مضامین ہیں (۳۶) مختلف کتابوں کے تعارف پر (تبصرہ کتب نہیں) ۲۱۶ مضامین ہیں (۳۷) جبکہ متفرق ۳۱۲ مضامین ہیں اس طرح معارف میں شائع ہونے والے مقالات ومضامین کی مجموعی تعداد چار ہزار سات سو ستائیس (۴۷۲۷) بنتی ہے جبکہ مجموعی طور پر ۱۰۶۵ شماروں میں ۸۶۹ شخصیتوں نے یہ مقالات ومضامین لکھے ہیں جن میں میرے مہربان دوست ڈاکٹر عبدالشہید نعمانی کا ایک مضمون بھی (یمن میں اشاعت اسلام کی ابتداء آنحضرت ﷺ کے مکتوبات کی روشنی میں) جنوری ۱۹۸۷ء کی اشاعت میں شامل ہے۔

علاوہ ازیں معارف اعظم گڑھ کی ۱۷۵ جلدوں میں یعنی ۱۰۶۵ شماروں میں مجموعی طور پر ۵۸۳۶ کتابوں پر تبصرہ بھی شائع ہوا ہے بعض شماروں میں تو ۸،۸ کتابوں پر بھی تبصرہ ہوا ہے اگر ایک ہی کتاب کی دو جلدوں کو الگ الگ شمار کیا جائے یا ایک ہی مصنف کی ایک ہی خانے میں تین تین، چار چار کتابوں کو الگ الگ شمار کیا جائے تو یہ تعداد بڑھ بھی سکتی ہے، اگر تبصرہ شدہ کتب کو بھی موضوعات کے اعتبار سے ترتیب دیا جاتا تو اشاریہ معارف میں قوس قزح رنگ بھر جاتا اور قارئین کو اپنے موضوع تلاشنے میں آسانی ہو جاتی، نیز وفیات کے زیر عنوان اشاریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر وفات پانے والی ۷۶۱ شخصیات پر تذکرہ نگاروں کی نگارشات بھی اس میں شامل ہیں۔

معروف یہ ہے کہ ایک سال کے شماروں کو ایک جلد گردانا جاتا ہے مگر اشاریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معارف کے ابتدائی دو سالوں میں تو یہی روایتی طریقہ اختیار کیا گیا ہے یعنی ۱۲ شماروں پر مشتمل ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جلد قرار دی گئی ہے۔ بعد ازاں یہ جدت اختیار کی گئی ہے کہ جولائی تا دسمبر کے چھ شماروں کو ایک جلد اور جنوری تا جون کے شماروں کو دوسری جلد قرار دیا گیا ہے اسطرح معارف کی مجموعی طور پر ۱۷۵ جلدیں متعارف کرائی گئی ہیں۔ نیز اشاریہ کے ص ۱۲۲ سے ص ۱۷۵ تک کمپوزر کی غلطی سے صفحات آگے پیچھے ہوگئے ہیں جنہیں آئندہ اشاعت میں درست کیا جاسکتا ہے، اسی طرح شروع میں جگنی کے دیوان سے جو شعر تحریر کیا گیا ہے اس میں والّیل کی ایک لام کو حذف کر دیا گیا ہے۔

بہر حال ارباب علم و دانش کی طرف سے معارف اعظم گڑھ کے اشاریہ کی ترتیب، تدوین اور تخریج جیسے تحقیقی و علمی کام کی پذیرائی اور تحسین و تعریف ضرور کیا جائے گی۔ یہ کارنامہ جامعہ کراچی کے لیے بھی باعث فخر و اعزاز ہے، جامعہ کراچی اور اکادمی ادبیات پاکستان اس محنت کا اعتراف کس طرح کرتے ہیں یہ مستقبل میں معلوم ہوگا، نیز اشاریہ میں اگر کہیں سہو ہوا ہے تو یہ سہیل شفیق کا حق تھا کیونکہ اتنے ضخیم، خشک اور محنت طلب کام میں چند ایک تسامحات کا وقوع پذیر ہونا بشریت کا تقاضا ہے ورنہ یہ کارنامہ سہیل شفیق کی کرامت قرار پاتا۔

مفتی محمد عثمان القاسمیؒ اور ان کا "تذکرۃ المصنفین"

ڈاکٹر سفیر اختر

صفحات: ۳۲، قیمت: ۲۵ روپے،

اشاعت اول: ۲۰۰۶ء، ناشر: دارالمعارف۔

لوسر شرفو (واہ کینٹ)

تبصرہ نگار: محمد صادق امین

محترم ڈاکٹر سفیر اختر صاحب نے اپنی تحقیقی صلاحیتوں کو اجاگر کر کے اتنے کمال پر پہنچا دیا ہے کہ اب مثل پارس بن گئے ہیں اور تحقیق کے جس سنگ گراں کو ہاتھ لگاتے ہیں تو اسے سلسلۃ الذہب بنا دیتے ہیں۔ زیر نظر کتاب دراصل آپکا مفتی محمد عثمان القاسمی کی تالیف "تذکرۃ المصنفین" پر تبصرہ ہے مگر یہ تبصرہ بھی اس شان کا ہے کہ اس نے تبصرے کی تنگ نائیوں سے نکل کر تحقیقی مقالے کی صورت اختیار کر لی ہے اور دریا کو کوزے میں بند کرنے کی مثل صادق آتی ہے۔ محترم سفیر صاحب تنقید بھی اس خوبی سے فرماتے ہیں کہ وہ نقد و تحقیق کے ماتھے کا جھومر بن جاتی ہے اور اس میں اتنی مٹھاس اور دردمندی پائی جاتی ہے کہ جس پر تنقید کیجا رہی ہو وہ اسے اپنے لیے باعث افتخار اور اصلاح و ترقی سمجھتا ہے۔

"تذکرۃ المصنفین" کے مؤلف مفتی محمد عثمان القاسمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادے جناب محمد امداد اللہ القاسمی نے ڈاکٹر سفیر اختر صاحب پر علمی سرقے کا الزام لگایا ہے۔ بقول ڈاکٹر سفیر صاحب: "اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں ہے کہ جناب محمد امداد اللہ قاسمی راقم الحروف پر سرقے کا گھناؤنا الزام لگا رہے ہیں" (صفحہ ۲۱)

جناب امداد اللہ القاسمی کا موقف ہے:

"حضرت والد صاحب (مفتی محمد عثمان القاسمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے آخر ایام زندگی میں پاکستان کے ایک مشہور قلمکار اور راہنما حضرو ضلع اٹک کے بعض علماء کو ساتھ لے کر حضرت والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ عاریۃً یہ مسودہ تذکرۃ المدرسین (کذا، تذکرۃ المصنفین) مجھے دے دیں۔ میں نے امتحان دینا ہے، پھر واپس کر دوں گا۔ جس پر والد صاحب نے وہ مسودہ ان کے سپرد فرما دیا کچھ عرصہ بعد آپکی وفات حسرت آیات ہوگئی لیکن مسودہ موصوف کے پاس رہا پھر اس محترم نے کرم نوازی یہ فرمائی کہ اسے اپنے نام سے شائع کروا دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جس کا مجھے دلی طور پر دکھ ہوا۔ لہٰذا قارئین کی خدمت میں گزارش ہے کہ "تذکرۃ المصنفین" اور اس مضمون کے اصل مؤلف حضرت مفتی محمد عثمان صاحب القاسمی ہی ہیں۔ (صفحہ ۲۰-۲۱)

مگر سفیر صاحب جیسا شفاف اور قابل رشک ماضی رکھنے والے محقق نے اس الزام کے باوجود متانت و سنجیدگی اور باہمی احترام کا دامن نہیں چھوڑا اور نہایت خوبی سے اپنی کتاب "حالات مصنفین درس نظامی" (اشاعت اول ۱۹۷۵ء) اور مفتی محمد عثمان القاسمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "تذکرۃ المصنفین" (اشاعت اول ۲۰۰۵ء) میں فرق کو تاریخی شہادتوں اور دونوں کتابوں کے مواد کا مختلف پہلوؤں سے تقابلی جائزہ پیش کر کے واضح کیا ہے اور خود پر عائد ہونے والے علمی سرقے کے الزام کو غلط ثابت کیا ہے۔

تو کون ہے کیا ہے تیرا داغ قبا بھی
لوگوں نے تو مریم پہ بھی الزام تراشے

ہم ڈاکٹر صاحب کے تبصرے کے چند نمونے نقد و تحقیق میں سرگرداں افراد کی رہنمائی کے لئے پیش کریں گے تا کہ وہ شاہراہ تحقیق پر ڈاکٹر صاحب کے قائم کردہ سنگ ہائے میل کی مدد سے جستجو کا سفر سلامتی طبع اور روانی سے طے کر سکیں۔ علمی سرقے کے الزام کے حوالے سے سفیر صاحب لکھتے ہیں:

"جس مصنف کی کتاب جون ۱۹۷۵ء میں شائع ہوگئی تھی، کیا اس نے مفتی محمد عثمان قاسمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب سے ۱۹۷۶ء کے بعد ان کا مسودہ لیا اور مفتی صاحب کے دنیا سے اٹھ جانے (۱۹۸۰ء) کے بعد اپنے نام سے شائع کیا؟ کاش !! الزام لگانے سے پہلے کچھ تو عقل و شعور سے کام لیا گیا ہوتا! اور حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہوتی!" (صفحہ ۴۲)

ایک مشہور روایت پر اس طرح نقد فرماتے ہیں:

"عبدالحکیم سیالکوٹی، حضرت مجدد الف ثانی اور نواب سعد اللہ خان (وزیر اعظم شاہجہاں) ملا کمال الدین کے شاگرد تھے، (بعض دوسرے اہل قلم نے انہیں ایک دوسرے کا ہم جماعت بھی قرار دیا ہے)۔ اگر نواب سعد اللہ خان اور حضرت مجدد الف ثانی کے سنین حیات پیش نظر رکھیں تو ان دونوں حضرات کا ملا کمال الدین سے استفادہ ممکن دکھائی نہیں دیتا"۔ (صفحہ ۱۸)

ایک حاشیہ نگار کے نام کی تصحیح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مولانا عبدالرحمن جامی کے معروف شاگرد جس نے "الفوائد الضیائیہ" (شرح جامی) کا حاشیہ لکھا تھا کا نام عبدالغفور لاری کے بجائے عبدالغفور لاہوری لکھا ہے، حالانکہ یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

آنجا کہ فہم و دانش مرغ بود شکاری
بازیست تیز رفتار عبدالغفور لاری

اور یہ غلطی اس لیے در آئی ہے کہ "تذکرہ علمائے ہند" کے اردو ترجمے میں عبدالغفور لاہوری طبع ہوا ہے"۔ (صفحہ ۱۶)

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے حوالے سے منسوب ایک غلط تاریخی روایت اس طرح تردید فرماتے ہیں:

"عبدالحکیم سیالکوٹی کے رسالہ "الخاقانیہ" یا "الدرۃ الثمینہ" کے بارے میں لکھا ہے: ایک رسالہ ورثمین (کذا، الدرۃ الثمینہ) باری تعالیٰ کے ثبوت میں ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ آپ نے اسے دربار شاہجہاں میں باریابی کے وقت بطور علمی تحفہ پیش کیا تھا" علامہ سیالکوٹی نے یہ رسالہ ۵ ربیع الآخر ۱۰۵۲ھ کو لکھنا شروع کیا اور ایک ہفتے میں مکمل کر دیا جب کہ اس سے پانچ برس پہلے بادشاہ ملا عبدالحکیم کو چاندی میں تلوا چکا تھا"۔ (صفحہ ۱۸)

ایک نقطے کے فرق سے کتاب کا نام بدل جانے اور اسے دو مختلف کتابوں کے نام سے پیش کرنے کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

"محمود جونپوری مؤلف "الشمس البازغہ" کے حالات "تذکرہ علمائے ہند اور "حدائق

الحنفیہ" سے اخذ کیے گئے ہیں۔ "حدائق الحنفیہ" میں جونپوری کی ایک تالیف "رسالہ اقسام نسواں میں" کا ذکر ہے، غالباً اسی رسالے کو "تذکرہ علمائے ہند" میں کتابت کی غلطی نے "دربیان زنان" کو "دربیان زبان" بنا دیا اور "تذکرہ علمائے ہند" کے اردو مترجم نے لکھ دیا: فارسی زبان میں مختصر سا ایک چہار ورقی رسالہ اقسام زبان کے بیان میں ہے۔

دونوں ماخذ میں مذکور کتابوں کو یکجا کرنے سے ایک ہی رسالہ "زباں" اور "زناں" کے بارے میں دو کتابچوں کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ (صفحہ ۱۹)

اس امر کا تذکرہ محققین بالخصوص درس نظامی سے وابستہ افراد کے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق حالات مصنفین و مؤلفین درس نظامی پر اردو زبان میں صرف چار کتابیں شائع ہوئی ہیں:

۱۔ "تذکرۃ المصنفین" تالیف مولانا حبیب الرحمن مظاہری خیر آبادی، کرنیل گنج، کانپور، مکتبہ معارف ملی، جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ/اگست۔ ستمبر ۱۹۶۹ء

۲۔ "ظفر المحصلین باحوال المصنفین یعنی حالات مصنفین درس نظامی" تالیف مولانا محمد حنیف گنگوہی، کراچی، دارالاشاعت، سن ندارد

۳۔ "تذکرہ مصنفین درس نظامی، تالیف ڈاکٹر سفیر اختر، لاہور، مسلم اکادمی، اشاعت اول، جون ۱۹۷۵ء

۴۔ "تذکرۃ المصنفین" تالیف مفتی محمد عثمان القاسمی، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، القاسم اکیڈمی، ۲۰۰۵ء

آخر میں ضرورت تصنیف و تالیف کے حوالے سے ڈاکٹر سفیر اختر صاحب کی ہدایات ان ہی کے الفاظ میں پیش کرنا چاہیں گے:

"مفتی صاحب کی کاوش "تذکرۃ المصنفین" بازار میں ہے اور اہل علم نقد و نظر کے ترازو میں تول کر فیصلہ کریں گے کہ اس کاوش نے پہلے سے دستیاب کتابوں کی کتنی غلطیاں صاف کی ہیں کون سے نئے پہلو اجاگر کیے ہیں اور سوچ کے کون سے نئے در وا کیے ہیں۔ راقم الحروف کو کتاب کی اشاعت پر اس لیے خوشی ہے کہ ضلع اٹک کے ایک بزرگ عالم کی کاوش سامنے آگئی ہے۔ جو ایک دور کے علمی موضوع سے اہل قلم کی دلچسپیوں کا اظہار ہے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتابیات: ادیب گوہر افشاں سید نور محمد قادری

سید محمد عبداللہ قادری

اشاعت: جون ۲۰۰۶ء، صفحات: ۴۴، قیمت: ۳۰ روپے

ناشر: کتاب خانہ ابن عبداللہ، چک ۱۵ شمالی، ڈاکخانہ چک۔۵، ضلع منڈی بہاءالدین (پاکستان)

برائے رابطہ: سید محمد عبداللہ قادری، ۴۰ ایف۔ ۳۲۵ واہ کینٹ

تبصرہ نگار: محمد صادق امین

ماضی قریب خصوصاً سلطنت مغلیہ کے اختتام تک ایک دور افتادہ گاؤں میں کسی عالم فاضل شخص کی موجودگی اچنبھے کا باعث نہ تھی بلکہ عام رواج یہی تھا کہ لوگ علم کے حصول کے لئے دور دراز سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے اہل علم کی خدمت میں پہنچتے اور اپنے علم کی پیاس بجھا کر واپس اپنے گاؤں قصبے یا شہر لوٹ جاتے اور علم کی بے بہا دولت متلاشیان علم میں تقسیم کرتے۔ گھر اور محلے کی مسجد ان کے درس و تدریس اور تحقیقی کاموں کا محور و مرکز ہوتے تھے۔ درس و تدریس اور علمی تحقیقات ان کا پیشہ ہرگز نہ تھے۔ وہ اکل حلال کے لئے زراعت، صنعت، تجارت وغیرہ جیسے پیشے اپناتے تھے۔ مگر جب سے درس و تدریس ایک پیشہ بن گیا ہے گو کہ مقدس پیشہ کہہ کر اس کی شناعت کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے سند یافتہ افراد کا رخ بڑے شہروں کی طرف ہو گیا ہے کیونکہ انہیں وہاں تدریس کا اچھا معاوضہ مل جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ درس و تدریس اور تحقیق کو پیشہ کہنا مناسب ہے؟ خیر اب تو معاملہ گورکھ دھندے تک پہنچ گیا ہے اور ایک پوری مفاد پرست تعلیمی مافیا وجود میں آ گئی ہے۔ جس نے درس و تدریس کو ایک ایسا کاروبار بنا دیا ہے جس میں منافع کی کوئی حد نہیں اور تحقیق میں جعل سازی اور علمی سرقے کو رواج دیکر، علم و تحقیق کی جو تھوڑی بہت آبرو باقی رہ گئی تھی وہ بھی خاک میں ملا دی۔ ماضی اور حال میں درس و تدریس کی روایات میں فرق کی منظر کشی ڈاکٹر وقار احمد زبیری نے ان الفاظ میں کی ہے:

''ہندوستان میں علم موجود تھا مگر برہمنوں تک چنانچہ وہی سب سے زیادہ ذی حیثیت لوگ تھے ہر جگہ نمایاں ہر جگہ اہم مگر مسلمانوں نے ''علم سب کے لئے'' عملاً نافذ کر دیا نہ کسی محکمے کی ضرورت پڑی نہ کسی وزارت کی اور اتنی بڑی مغل ایمپائر کسی نقص کے بغیر اس وقت تک چلتی رہی جب تک انگریزوں نے جمے جمائے نظام کو تپٹ نہ کر دیا۔ انگریزوں سے پہلے استادی سب کچھ ہوتا تھا نہ طلبہ کی فیس ہوتی تھی نہ استاد کی تنخواہ ہوتی تھی دونوں کی کفالت جائیداد کی آمدنی سے ہوتی تھی جو مدرسے کے لئے وقف ہوتی تھی۔ انگریزوں نے تمام اوقاف ضبط کر کے استاد کو محکمہ تعلیم کا تنخواہ دار بنا دیا یعنی اب وہ کلاس

اور اس کو تنخواہ دی جا رہی ہے اس تبدیلی کا زبردست نقصان مسلمانوں کو ہوا کہ نصاب بنا کر بھیجا جاتا تھا اور مقررہ مدت میں ختم کرانا اور پھر امتحان کا با قاعدہ نظام تو آ گیا مگر استاد کا اطمینان بیچ میں سے نکل گیا کہ یہ طالب علم واقعی اگلی جماعت کے لائق ہوا یا نہیں''۔ (کالم ''یہ میرا چمن ہے'' روزنامہ امت ۲۳ اگست ۲۰۰۶ء)

سید نور محمد قادری ماضی کی درخشاں روایات کے امین اور سلف کی طرز پر زندگی گزارنے والے ایک ایسے ہی بزرگ تھے جنہوں نے تحقیق کو پیشہ نہیں بنایا بلکہ اپنا گزر بسر زراعت کے پیشے سے کرتے رہے اور نہ صرف یہ کہ خود تصنیف و تالیف اور تحقیق کا کام کرتے رہے بلکہ ان کے گھر کے دروازے دیگر محققین کے لئے کھلے رہے اور یہ انکا خلوص تھا کہ جس کی وجہ سے ان کا دیہاتی پس منظر اور کتب خانے کی دور افتادگی علم و ادب کے متلاشیان کے راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

زیر نظر کتاب سید نور محمد قادری کی تحقیق اور علمی کاوشوں کا کتابیات کی صورت میں ایک مختصر سا جائزہ ہے جسے ان کے صاحبزادے سید محمد عبداللہ قادری نے مرتب کیا ہے۔ یہ کتابیات سید نور محمد قادری کی تمام شائع شدہ کتب، مقالات، دیباچوں، تبصروں اور خطوط پر مشتمل ہے۔ موضوعات کا تنوع ان کی علمی قابلیت اور گہرے مطالعہ کا غماز ہے ہو سکتا ہے کہ تخصص کے اس دور میں یہ تنوع بعض افراد کے لئے حیرت کا باعث ہو مگر جن کی تاریخ پر نظر ہے ان کے لئے یہ ماضی کا عملی نمونہ ہے۔ ویسے شعر و ادب رضویات اور اقبالیات ان کے خاص موضوعات ہیں۔ ان موضوعات سے دلچسپی رکھنے والے محققین کے لئے یہ کتابیات نہایت مفید ثابت ہو گی۔

ڈاکٹر سفیر اختر کے مقدمے نے اس کتابیات میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ انہوں نے اپنے خوبصورت تنقیدی اسلوب سے محترم سید نور محمد قادری کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو خوب اجاگر کیا ہے اس کتابیات کیساتھ مرحوم کی مختصر سوانح ہے اور مشاہیر کی آراء بھی درج کی گئی ہیں۔ ان میں چند آراء پیش خدمت ہیں:

''محترم سید نور محمد قادری دیکھنے کو ان پڑھ دیہاتی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے پاس بیٹھ کر ذرا کریدیے تو کان جواہرات ثابت ہوں گے''۔ (علامہ محمد حسین عرشی، صفحہ ۱۸)

''سید نور محمد قادری ضلع گجرات کے دور دست گاؤں کے رہنے والے ہیں اور تحصیل پھالیہ کے اس علاقے کے باسی، جہاں دور دور تک اردو اشعار کا ذوق کھلتا نظر نہیں آتا۔ میں نے قادری صاحب کو ... دیکھا ہے، مجھے اقبال کا لالہ صحرائی یاد آ گیا ہے جسے اس کے جذبۂ پیدائی نے شاخ سے پھوٹنے

© rasailojaraid.com